تفسیر واصول تفسیر: مفہوم، ارتقاء اور اقسام

Interpretation and Principles of Interpretation: Concepts, Evolution and Types

*ظفر اقبال

ABSTRACT

Qur'an is Divine guidance for Human beings. Efforts are listed from the early Islamic period to date to understand the text of this guidance. Holy Prophet Muhammad (SAW) was the first exegete, His companions and followers were the next ones and this chain continues till now. In the third century Hijra, exegesis of Qur'an got the position of permanent science and then the work, in this field, was started in different dimensions. Many writers wrote permanent exegesis and others worked on its branches; i.e. Uloom ul Quran, Mushkalat ul Quran, Ghraib ul Quran, Nasikh-o-Mansookh, Ijaz ul Quran, etc. In this article, a basic introduction to this science, its branches, and its principles are discussed. It is found that exegesis work started from the early Islamic period and continues till now and many branches in exegesis work took place beside the development of its principles and helping sciences. Usool-e-Tafseer (Principles/Methods of illustration) are compiled, the first time in seven century hijra by Ibn Taymiyyah with this name. Later on, many books were written in this field, especially the territory of the subcontinent got a special place in this science. There are three schools of thought exist regarding this science. Everyone published their own work and insisted to describe the Quranic text according to their own principles. These principles also exist in the prefaces of the exegeses.

KEY WORDS: *Qur'an, Holy Prophet Muhammad (SAW), Ghraib ul Quran, Uloom ul Quran, Mushkalat ul Quran.*

*لیکچرار شعبہ قرآن و تفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

تفسیر کا تعارف و مفہوم

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت ورہنمائی کے لیے انبیاء ورسل کو مبعوث فرمایا۔ ان انبیاء علیہم السلام پر نزول وحی کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور حضرت محمد ﷺ پر ختم ہوا۔ انبیا کرام پر نازل کردہ مصاحف اور چار کتابوں میں سے آج صرف قرآن مجید کا متن محفوظ ہے اور یہ متن قرآن تا قیامت آنے والے انسانوں کی فکری، مادی، روحانی، تہذیبی، انفرادی اور اجتماعی معاملات میں رہنمائی کا بنیادی ماخذ ہے۔ قرآن ہی خدا کی مضبوط رسی ہے۔ وہی ذکر حکیم اور صراط مستقیم ہے۔ مگر اس صحیفہ ہدایت کو سمجھنا اور اس سے معنی و مفہوم اخذ کرنا ایک باقاعدہ علم کا متقاضی ہے۔ کیونکہ قرآن پاک کے علوم و مقاصد صرف اس کے منطوق اور ظاہر میں منحصر نہیں اگر ایسا ہوتا تو تلاوت اور عبادت کے بعد اس کے بیان و تبیان اور پھر اس میں تدبر کی قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی حالانکہ قرآن عزیز خود اس ضرورت کا اعلان کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ۔[1]

"اور ہم نے تم پر بھی یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان پر ظاہر کردو اور تاکہ وہ غور کریں۔"

اور یہی وہ ضرورت اور مقصد عظیم تھا جس کے پیش نظر علم تفسیر کی تدوین عمل میں آئی۔

تفسیر کا لغوی مفہوم

تفسیر کا مادہ فسر ہے۔ یہ باب تفعیل سے مصدر کا صیغہ ہے۔ جس کے معنی ہیں کسی مجمل بات کی وضاحت کرنا یا کسی مخفی چیز سے پردہ اٹھانا وغیرہ۔ ابن منظور الافریقی (م 1311ء بمطابق 711ھ)[2] لکھتے ہیں:

الفسر كشف المغطى والتفسير كشف المراد عن اللفظ المشكل.[3]

"فسر کے معنی ہیں: ڈھانپی ہوئی چیز کو کھولنا اور تفسیر کے معنی ہیں: مشکل الفاظ کی مراد سے پردہ اٹھانا"

جمال الدین أبو الفرج عبد الرحمن ابن الجوزی (م 597ھ)[4] نے تفسیر کی تعریف یوں کی ہے:

التفسير إخراج الشئ من مقام الخفاء إلى مقام تجلى[5]

"کسی چیز سے اسکے مخفی پن کو ختم کرکے واضح و متین کرنے کا نام تفسیر ہے۔"

القاموس المحیط میں مجد الدین فیروز آبادی (م 817ھ) فرماتے ہیں:

الفسر الإبانة وكشف المغطى كالتفسير والفعل كضرب ونصر[6]

"فسر کے معنی ہیں ظاہر کرنا، پردہ اٹھانا اور یہی معنی تفسیر کے ہیں۔ اسکا فعل ضرب، یضرب اور نصر، ینصر کے باب پر آتا ہے۔"

امام راغب اصفہانی (م502ھ-1108ء)[7] کے نزدیک فسر کا استعمال اشیا عقلیہ اور معانی میں ہوتا ہے۔ جبکہ سفر کسی ٹھوس شے کے ظہور میں استعمال ہوتا ہے۔[8]

لفظ تفسیر بیان اور وضاحت کے معنوں میں خود قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے۔

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَٰكَ بِٱلْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴿٣٣﴾[9]

"اور نہیں لاتے یہ لوگ تیرے سامنے کوئی عجیب سوال مگر یہ کہ ہم آپ کے پاس سچا اور قطعی جواب اور بہترین وضاحت لے آتے ہیں۔"

اس طرح حدیث شریف میں تفسیر کا لفظ ترجمہ، تشریح اور احکام و مسائل کی وضاحت، تفصیل اور بیان کے لئے استعمال ہوا ہے۔ جیسے سنن ابن ماجہ میں حضرت عمرؓ کا ارشاد منقول ہے:

ان آخر ما نزلت آية الرّباء، وان رسول الله ﷺ قبض ولم يفسرها لنا فدعوا الرباء والريبة۔[10]

"آیت ربا سب سے آخر میں نازل ہوئی، رسول اللہ ﷺ وفات فرماگئے جب کہ آپ ﷺ نے ہمارے لیے اس کی تشریح نہیں فرمائی تھی، لہٰذا تم سود اور شک کو چھوڑ دو۔"

مندرجہ بالا تصریحات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تفسیر کا لفظ بلحاظ لغت محسوسات اور معقولات دونوں کے اظہار اور بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

تفسیر کا اصطلاحی مفہوم

اصطلاح میں تفسیر کے معنی ہیں (مقررہ حدود و قیود کا لحاظ رکھتے ہوئے) قرآن مجید کی تشریح و توضیح اور تفصیل کرنا، اس کے مشکل الفاظ اور جملوں کے مفہوم و مطلب کو ظاہر کرنا۔ مفسرین نے تفسیر کے اصطلاحی مفہوم کے بارے میں مختلف آرا بیان کی ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

علامہ ابوحیان اندلسی (م745ھ/1344ء) نے علم تفسیر کی درج ذیل تعریف کی ہے:

التفسير علم يبحث فيه عن كيفية النطق بالفاظ القرآن ومدلولاتها وأحكامها الإفرادية والتركيبية ومعانيها التى تحمل عليها حالت تركيب وتتمات لذلك[11]

"علم تفسیر وہ علم ہے جس میں قرآن مجید کے الفاظ کے تلفظ، انکے معانی و مفاہیم اور ان کے افرادی و ترکیبی احکام اور ان معانی سے بحث کی جاتی ہے جو ان الفاظ سے مرکب حالت میں مستنبط ہوتے ہیں اور ان کے تتمات سے بحث کی جاتی ہے۔"

علامہ الزرکشی (م795ھ / 1393ء) نے تفسیر کو فہم قرآن کا ذریعہ قرار دیا ہے:

التفسير علم يعرف به فهم كتاب الله المنزل على نبيه محمد صلى الله عليه وسلم وبيان معانيه واستخراج أحكامه وحكمه، واستمداد ذلك من علم اللغة، النحو والتصريف وعلم البيان واصول الفقه والقراءت ويحتاج معرفة أسباب النزول والناسخ والمنسوخ.[12]

"تفسیر وہ علم ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کا فہم حاصل ہوتا ہے جو اسکے نبی محمد پر نازل ہوئی ہے۔ جس کے ذریعے اس کے معانی کی وضاحت ہوتی ہے اور جس کے ذریعے اس کے احکام و حکمتیں معلوم کی جاتی ہیں۔ اور اس سلسلے میں علم لغت، نحو، صرف، علم بیان، اصول فقہ اور قرآت سے مدد لی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں اس کے لیے اسباب نزول اور ناسخ و منسوخ کی معرفت بھی ضروری ہے۔"

جلال الدین سیوطی (م911ھ / 1505ء) فرماتے ہیں:

التفسير في الإصطلاح علم نزول الآيات وشوؤنها وأقاصيصها وأسباب النازل فيها ثم تركيب مكيها ومدنيها ومحكمها ومتشابهها وناسخها ومنسوخها وخاصها وعامها، مطلقها ومقيدوها ومجملها ومفصلها وحلالها وحرامها ووعدها ووعيدها وأمرها ونهيها وعبرها و أمثالها۔[13]

"اصطلاح میں تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں قرآنی آیات کے نزول، انکے واقعات و متعلقہ اسباب نزول نیز مکی و مدنی، محکم و متشابہ، ناسخ و منسوخ، خاص وعام، مطلق و مقید، مجمل و مفسر، حلال و حرام، وعدہ، وعید، امر و نہی اور عبرت و امثال وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے۔"

علامہ عبدالعظیم الزرقانی (م 1367ھ / 1948ء) نے مناہل العرفان میں سب سے زیادہ مختصر اور جامع و مانع تعریف کی ہے:

والتفسير في الإصطلاح علم يبحث فيه عن القرآن الكريم من حيث دلالاته على مراد الله تعالى بقدر طاقة البشرية۔[14]

"اصطلاح میں تفسیر وہ علم ہے جس میں قرآن کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔ اس حیثیت سے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مراد پر بشری طاقت کے مطابق دلالت کرتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی طاقت و صلاحیت کے مطابق قرآنی آیات سے اللہ تعالیٰ کی مراد معلوم کرنے کو تفسیر قرآن کہا جاتا ہے۔"

درج بالا بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ لغوی اعتبار سے تو تفسیر کا اطلاق ہر قسم کی وضاحت پر ہوتا ہے مگر اصطلاح میں تفسیر کا لفظ صرف قرآن مجید کی تشریح و توضیح کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہاں تک کہ حدیث رسول کی

تشریح کو بھی تفسیر نہیں کہا جاسکتا بلکہ اسکے لیے شرح الحدیث کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس علم کی ضرورت، اہمیت اور غرض وغایت وغیرہ کے ساتھ ساتھ تفسیر وتاویل میں فرق کے مباحث اس علم کو سمجھنے میں معین ومددگار ہیں۔[15] تفسیر، تاویل اور تحریف کے فرق کو علامہ خالد محمود نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م1239ھ /1823) کے اصول تفسیر کے حوالہ سے واضح کیا ہے۔ شاہ صاحب تفسیر میں تین چیزوں کی رعایت ضروری سمجھتے ہیں۔

1. ہر ہر کلمہ کے متعلق یہ جاننا کہ اس کا لغوی معنی کیا ہے اور یہ کہ اس کے مجازی استعمال کی وسعت کہاں تک ہے۔
2. سیاق وسباق پر پوری نظر رکھنا تاکہ کلام اوّل آخر سے مربوط رہے کسی مرحلہ پر بے معنی نہ ہونے پائے۔
3. نزول وحی کے وقت جو لوگ موجود تھے انہوں نے اس سے کیا سمجھا تھا کوئی تشریح حضور ﷺ کے بیان اور صحابہؓ کی تفسیر کے خلاف نہ ہو۔

شرط اوّل کا لحاظ نہ رہے تو یہ تاویل قریب ہے۔ دوسری شرط فوت ہو تو یہ تاویل بعید ہے اور تیسری بھی ملحوظ نہ رہے تو یہ تفسیر نہیں تحریف ہوگی۔[16]

علم تفسیر کی اقسام

علم تفسیر کی اقسام پر بحث سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کو بھی واضح کیا جائے جو ایک عامی[17] ذہن میں یہ سوال پیدا کرتی ہے کہ تفسیر کی اقسام کیوں اور کیسے وجود میں آئیں جبکہ اللہ کا کلام ایک ہے اور اس کا معنی ومراد اللہ تعالیٰ کے رسول جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے واضح کر دیا اور صحابہ کرامؓ نے اس کی عملی تصویر بھی پیش کر دی۔ اس بات کو مختصراً اس طرح سمجھا جائے کہ قرآن مجید کی تفسیر کے لیے تفسیر و تأویل دو طرح کی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔ تفسیر کے معنی کسی لفظ اور جملے کی مراد کو کھولنا اور بیان کرنا ہیں۔ جبکہ تأویل کے معنی رجوع کرنے اور لوٹانے کے ہیں۔ یعنی قرآن مجید کے الفاظ کو ظاہری معنی سے ہٹا کر باطنی معنی کی طرف لوٹا دینا۔ خالد علوی لکھتے ہیں:

ضرورتِ پیش آمدہ میں جہاں قرآن کریم کی نص نہیں ملتی نہ اس خاص جزئیہ میں کوئی واضح حدیث موجود ہو تو اپنی ضرورت کو قرآن وحدیث کی طرف لوٹاؤ۔ قرآن وحدیث کے بیان کردہ مسائل میں اگر اس ضرورت پیش آمدہ پر کچھ دلالت اور رہنمائی ملے تو قرآن وحدیث کی طرف لوٹنا ہے لیکن ازراہِ تأویل نہ کہ ازراہِ تفسیر۔ قرآن کریم میں یہاں احسن تأویل اسی کو کہا گیا ہے۔[18]

چنانچہ تفسیر کرتے ہوئے لازماً تأویل سے بھی کام لینا پڑے گا۔ جو صحابہ کرامؓ کے دور سے آج تک لیا جارہا ہے۔ اور تأویل صحیح اور تأویل فاسد اسی ذیل میں سامنے آتی ہیں۔ اور اسی طرح تفسیر کو اصول تفسیر کی روشنی میں بیان کرنا اور نہ کرنا سے ہی تفسیر المحمود اور تفسیر المذموم کی اقسام وجود پذیر ہوئیں۔ چنانچہ تفسیر میں صرف آثار سے کام لینا یا پھر رائے اور اجتہاد واستنباط سے تفسیر بیان کرنے کی بنیاد پر دو مشہور اقسام تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

پھر تفسیر بالرائے کو مزید تفسیر بالرائے المحمود اور تفسیر بالرائے المذموم کی ذیلی اقسام کے طور پر بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ ان اقسام کی بنیادی تقسیم کے بعد تفسیر کے مناہج جو اگرچہ ان ہی اقسام میں آجاتے ہیں، کو بیسیوں کی تعداد میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ رجحانات عصری ضرورتوں اور تقاضوں کے تحت وجود میں آئے ہیں۔ جیسے قرون اولیٰ میں فقہی ابحاث اور مسائل کے اخذ و استنباط کے لیے احکام القرآن یعنی فقہی رجحان کی تفاسیر لکھی گئیں اور سائنسی ترقی کے موجودہ دور میں تفسیر کا علمی رجحان سامنے آیا۔ ان رجحانات کو شاہ ولی اللہؒ، محمد حسین ذھبی اورڈاکٹر فہد الرومی نے تفصیلاً ذکر کیا ہے۔[19] ان رجحانات میں جن پر تصنیفات پائی جاتی ہیں ان میں اثری، کلامی، فقہی، نحوی ولغوی، ادبی، قراءات کا رجحان، اشاری، فلاسفہ کا رجحان، علمی وسائنسی، الحادی، موضوعی، بلاغی وغیرہ شامل ہیں۔

اصول تفسیر کا مفہوم

اصول تفسیر سے مراد وہ اصول ہیں جو کوئی مفسر اپنی تفسیر کے لیے مقرر کرتا ہے۔ عموماً اصول تفسیر اور علوم القرآن کو آپس میں ملادیا جاتا ہے جس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ اصول تفسیر اور علوم القرآن میں کیا فرق ہے۔ جبکہ اصول تفسیر کسی مفسر کا منہج علمی ہوتا ہے اور علوم القرآن وہ طے شدہ علوم ہیں جن کا جاننا کسی مفسر کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ اصول تفسیر دو کلموں سے مرکب ہے۔ پہلے ان دونوں کی علاحدہ توضیح کی جاتی ہے۔ پھر مرکب کے طور پر اس کا مفہوم بیان کیا جائے گا۔

اصول کا لغوی مفہوم

اصول اصل کی جمع ہے۔ اس کا مادہ (ا ص ل) ہے جسکے معنی بنیاد، جڑ، کسی چیز کا نچلا حصہ جس پر وہ بنی ہو۔ ابن منظور الافریقی کہتے ہیں:

الأصل: أسفل كل شيئ استأصيلت الشجرته : ثبت أصلها۔[20]

"کسی چیز کے کل اور مجموعے کو الائصیلۃ کہتے ہیں۔"

اس معنی میں عرب لوگ کہتے ہیں: لا أصل لہ ولا فصل، الاصل الحسب، والفصل اللسان، یعنی نہ اسے نسبی شرافت حاصل ہے اور نہ لسانی۔[21]

قرآن مجید میں استعمالات

یہ لفظ اصول جمع کے طور پر قرآن مجید میں ایک جگہ استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵ [۲۲]

"تم نے جو بھی کھجور کے درخت کاٹ ڈالے یا جنھیں تم نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے فرمان سے تھا۔ اور اس لیے کہ فاسقوں کو اللہ تعالیٰ رسوا کرے۔"

اصول کا واحد اصل ہے بطور مفرد یہ لفظ قرآن مجید میں دو مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ ایک مقام پر پاکیزہ درخت کی جڑ اور بنیاد کے لیے، جب کہ دوسرے مقام پر جہنمی درخت کی جڑ اور بنیاد کے لیے۔ پاکیزہ کلمہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿٢٤﴾[23]

"کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح پاکیزہ بات کی مثال بیان کی کہ وہ مثل ایک پاکیزہ درخت کے ہے، جس کی جڑ مضبوط ہے اور جس کی ٹہنیاں آسمان میں ہیں۔"

دوسرے مقام پر جہنم میں اگنے والے درخت زقوم کے بارے میں فرمایا:

إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ۔[۲۴]

"تحقیق وہ ایک درخت ہے جو دوزخ کی جڑ میں نکلتا ہے۔"

اس مادہ سے قرآن مجید میں اَصیل اور آصال بھی مستعمل ہے۔[25] گویا شاخوں کا انحصار جس تنے اور جڑ پر ہوتا ہے اس کو اصل یا اصول کہتے ہیں۔

اصول کا اصطلاحی مفہوم

اصطلاح میں اصول ان قواعد وکلیہ کو کہتے ہیں جن پر جزئیات کا انحصار ہوتا ہے۔ اور ان سے جزئیات کے حالات و خصوصیات کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اصولیین نے اس لفظ اصل کو بمعنی دلیل، قاعدہ، حالت اصلی اور راجح کے استعمال کیا ہے۔[26] چنانچہ اصول سے مراد کسی بھی علم وفن کی بنیادیں ہیں جن کے بناوہ علم قائم نہیں رہ سکتا۔

"اصول تفسیر" مرکب اضافی ہے، جس سے مراد وہ بنیادی قواعد وکلیہ ہیں جن کی مدد سے قرآن مجید کے علوم و معارف کو حاصل کیا جاتا ہے اور ایک مفسر کے لیے ان سے کوءی مفر نہیں۔ اصول تفسیر سے مراد وہ علم ہے جس میں قرآن مجید کے معنی و مفہوم اور مطلب کی تشریح پر کئی طریقوں سے بحث کی جاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ایک مفسر کو قرآن مجید کی تشریح کرتے ہوئے جن اصول و قواعد کا پابند رہنا پڑتا ہے ان قواعد کا نام اصول تفسیر ہے۔ یعنی اگر ان اصولوں کی پابندی نہ کی جائے تو حاصل شدہ مواد پر قرآن مجید کی تفسیر کا اطلاق نہ ہوگا۔ چنانچہ انحرافی مکتب فکر کی کتب پر بھی لفظ تفسیر کا اطلاق ایسا ہی ہے جیسا کہ موضوع حدیث پر لفظ حدیث کا اطلاق۔ صاحب کشاف نے اصول تفسیر کی اصطلاحی تعریف درج ذیل الفاظ میں کی ہے:

هو الكشف عن معانى الفاظ القرآن الكريم فى سياقاتها حسب قواعد و اصول معروفة لفهم مراد الله تعالى من وحيه المنزل۔[27]

"قرآن مجید کے معانی کو اپنے سیاق وسباق اور وحی منزل میں اللہ تعالیٰ کی مراد کو سمجھنے کے معروف اصول و قواعد کی روشنی میں واضح کرنے کا نام اصول تفسیر ہے۔"

اصول تفسیر ان قواعد کا نام ہے جو کسی مفسر کے تفسیری خاکہ کو منضبط کرتے ہیں۔ اور مفسر کے اس تفسیری خاکہ اور اس کے فہم اور استنباط کی غلطی کے درمیان ایک محافظ کا کام کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ تفسیر میں معنی و مراد کو علی وجہ الافضل بیان کرنے میں مفسر کے مددگار ہوتے ہیں۔

شیخ ابن تیمیہؒ نے اصول تفسیر کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کی ہے:

مجموعة القواعد التی ینبغی ان یسیر علیها المفسّرون فی فهم المعانی القرآنیةوتعرف العبر والاحکام من الایات۔[28]

"اصول تفسیر ان قواعد کے مجموعے کا نام ہے جن کا لحاظ رکھنا مفسرین کے لیے معانی قرآن کے فہم اور آیات سے مستنبط حکم واحکام کی پہچان کے لیے نہایت ضروری ہے۔"

اصول تفسیر اور علوم قرآن

مفسرین اپنے تفسیری مقدمات میں وہ علوم جو آیات قرآنیہ کے فہم و ادراک اور کلام خداوندی کو سمجھنے کے لیے حاصل کیے جاتے ہیں انہیں بھی اصول تفسیر میں شمار کرتے ہیں۔ اگرچہ ایک گونہ فرق ان دونوں یعنی اصول تفسیر اور علوم القرآن میں پایا جاتا ہے۔ ایک مدون فن کی حثیت سے علوم قرآن سے مراد وہ تمام علوم و مباحث علمیہ ہیں جو قرآن مجید سے متعلق ہیں اور فہم قرآن کے طالب علم کے لیے ناگزیر ہیں۔ مثلاً قرآن کی قرآت کا تعارف، اسکی فنی تعریف، نزول قرآن کی کیفیت، قرآن کی تدوین و کتابت، جمع و ترتیب، مکی و مدنی کی معرفت، اسباب نزول، ناسخ و منسوخ، محکم و تشابہ۔[29] اور ایک مفسر کا ان کو جاننا ضروری ہے۔ جبکہ اصول تفسیر سے مراد وہ قواعد وکلیہ ہیں جن کی روشنی میں ہی ایک مفسر تفسیر میں کسی خاص اسلوب کا پابند رہتا ہے۔ مثلاً قرآن کی تفسیر بالقرآن کا قاعدہ اور تفسیر میں عقل کا کیا درجہ ہو گا وغیرہ وغیرہ۔ گویا ایک مفسر کے لیے علوم القرآن واصول تفیسر دونوں کا ہی جاننا ازبس ضروری ہے۔

متقدمین، متاخرین، اور معاصرین نے اصول تفسیر کے حوالہ سے جتنی تصنیفات، تالیفات اور تحقیقات کی ہیں اکثر و بیشتر سب کے ناموں میں علوم القرآن کا لفظ استعمال کیا ہے۔[30] لہذا اصول تفسیر کو علوم القرآن ہی کی ایک شاخ کے طور پر ذکر کیا جا سکتا ہے۔

تفسیر واصول تفسیر کا آغاز وارتقاء

قرآن مجید کے نزول کا بنیادی مقصد، تلاوت آیات اور احکام میں غور و فکر کر کے ان سے نصیحت حاصل کرنا ہے۔ پھر غور و فکر کر کے اسکے معنی بیان کرتے وقت چند اصول و ضوابط مد نظر رکھنا پڑتا ہے لہذا اصول تفسیر کی تدوین اگرچہ بعد میں ہوئی ہے مگر اسکی تاریخ اسی وقت سے شروع ہوتی ہے جب سے نزول قران کا آغاز ہوا۔

قرآن مجید جس قوم پر نازل ہوا وہ امی تھی مگر زبان و قلب سے محروم نہ تھی، ان کے ہاں شعر و شاعری اور ضرب الامثال بھی استعمال ہوتے تھے، ان کا اسلوب کلام متنوع ہوا کرتا تھا جس میں تشبیہ، استعارہ، صریح، کنایہ، ایجاز و اطناب سے انواع سخن شامل تھے۔ اور انہیں اپنی زبان دانی پر اتنا فخر تھا کہ اپنے علاوہ باقی اقوام کو عجمہ کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

انکا یہ فخر بے جانہ تھا بلکہ وہ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے سب پر حاوی تھے۔ قرآن مجید بھی اس دور کی عربی زبان میں اترا اور آپ ﷺ کا معجزہ قرآن باقی انبیاء کے معجزات کی طرح اپنی قوم کے حسب حال تھا اہل زبان میں سے جس نے اسکو سنا وہ اسکی عظمت و برتری کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ قرآن پاک جس کو بنی آدم کی فلاح و بہود کے لیے نازل کیا گیا ہے ایک مکمل ضابطہ حیات اور جامع قانوں ہدایت ہے۔ چنانچہ اس قانون ہدایت کے مقنن اعظم نے محض الفاظ کی تعلیم ہی نہیں دی بلکہ اسکی تعبیر و تفسیر کا حق اپنے پیغمبر محمد ﷺ کو عطا کیا اور انکے کے ہر قول و فعل کو حجت بنادیا۔

علم تفسیر کے ارتقاء سے متعلق بہت سارا ذخیرہ پایا جاتا ہے۔ مثلاً التفسیر والمفسرون از محمد حسین ذھبی، تاریخ تفسیر و اصول تفسیر از پروفیسر میاں منظور احمد، تفسیر و تاریخ تفسیر و مفسرین از غلام احمد حریری، تبیان الراسخ معروف بہ تاریخ التفسیر از قاضی عبد الصمد صارم۔ ان تمام اور ان کے علاوہ بہت سے دوسرے مصنفین نے تفسیری ارتقاء کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ جبکہ اصول تفسیر کے ارتقائی مراحل کیا رہے اور اس نے کس طرح مدون علم کی شکل اختیار کی۔ اس کے تفصیلی جائزہ کی ضرورت ہے۔ ذیل میں اصول تفسیر کے ارتقائی مراحل کو ذکر کیا جارہا ہے اگرچہ تفسیر کے ارتقاء اور اصول تفسیر کے ارتقاء کو کلی طور پر جدا نہیں کیا جاسکتا پھر بھی یہ کوشش کی گئی ہے کہ تفسیر کے ارتقاء کو ضمناً اور اصول تفسیر کے ارتقاء کو اصلاً بیان کیا جائے۔

اصول تفسیر عہد رسالت اور دور صحابہ میں

عہد رسالت میں تفسیر قرآن کا دائرہ طویل نہیں تھا کیونکہ قرآن پاک صحابہ کے سامنے نازل ہو رہا تھا اور ان کے لیے زبان و بیان کا کوئی مسئلہ نہیں تھا اس لیے ہر آیت کی تفسیر کے لیے آپ ﷺ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ جب کسی آیت کے فہم میں دشواری محسوس ہوتی تو صحابہ کرام حضور ﷺ سے اس کی تفسیر

دریافت فرمایا کرتے تھے۔ اور حضور ﷺ اسکی وضاحت فرمادیتے تھے۔ اوراس بات کو قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری ٹھہرایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ۔[31]

"اور ہم نے تیری طرف یہ نصیحت اتاری تاکہ آپ لوگوں کی طرف جو قرآن اتارا گیاہے اسکو کھول کر بیان کردیں تاکہ وہ اس میں غور وفکر کریں۔"

ابن کثیر اس آیت کی تفسیر اس طرح بیان کرتے ہیں :اے نبی ﷺ آپ لوگوں کے لیے اسکے مجملات کی تفصیل اور مشکلات کی وضاحت کردیں۔[32]

مثال کے طور پر جب قرآن مجید کی یہ آیت "الَّذِينَ آمَنُواْ وَلَمْ يَلْبِسُواْ إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ"[33] "ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے محفوظ نہیں کیا"۔ نازل ہوئی تو صحابہ کرام کو ظلم کا مفہوم سمجھ میں نہ آیا تو یہ آیت ان پر بڑی شاق گزری تو انہوں نے آپ ﷺ سے دریافت فرمایا: یارسول الله وأینا لا یظلم نفسه۔[34] کہ یارسول اللہ ہم میں سے ایسا کون ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہ کیا ہو؟ اس وقت آپ نے فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے نہ کہ وہ جو تم سمجھ رہے ہو۔ اور قرآن پاک سے اس کی مثال بیان فرمائی "إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ۔"[35]

اسی طرح جب آیت کریمہ "وَكُلُواْ وَاشْرَبُواْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ۔"[36] "اور کھاو پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری رات کی سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے" نازل ہوئی تو عدی بن حاتمؓ کو آیت کا مفہوم سمجھ میں نہ آیا لہذا انہوں نے ایک سفید اور کالا دھاگہ تکیے کے نیچے رکھ لیا اور رات کو اٹھ اٹھ کر دیکھتے تھے کہ ان میں امتیاز ہوا کہ نہیں۔ صبح ہوئی تو رسول کریم ﷺ سے سارا ماجرہ کہاتب آپ ﷺ نے آیت کا صحیح مطلب ان کے سامنے بیان کیا کہ "إنما هي سواد الليل وبياض النّهار۔"[37] "اس سے مراد رات کی تاریک اور دن کی سفیدی ہے"۔ چنانچہ دور رسالت میں صحابہ کرام اپنے ذوق عربیت کی بدولت قرآنی آیات کا فہم بھی رکھتے تھے اور جہاں کہیں دشورای محسوس کرتے تو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اس آیت کی تفسیر معلوم کرتے۔ اسکے علاوہ ابتدائی دور میں قرآن پاک کے علاوہ حضور ﷺ نے ہر چیز لکھنے سے منع فرمایا تھا۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے۔ مجھ سے سن کر کوئی بات مت لکھو جس نے قرآن مجید کے سوا مجھ سے کوئی چیز لکھی ہو وہ اسے مٹادے۔ البتہ مجھ سے سن کر حدیثیں بیان کرو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور جس نے مجھ پر دانستہ جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔[38] آپ ﷺ نے یہ حکم اس لیے فرمایا تھا کہ قرآن وغیر قرآن آپس میں خلط ملط نہ ہو جائیں۔ چنانچہ مندرجہ بالا بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ دور رسالت میں یہ دو امور اصول تفسیر تھے؛ کلام عرب کا ذوق اور فرمان نبوی ﷺ (یعنی حدیث وسنت)۔

صحابہ کرامؓ کے عہد میں اصول تفسیر

صحابہ کرامؓ کو قرآن پاک کے معانی و مطالب براہ راست صاحب قرآن ﷺ سے سیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ اصحاب رسول ﷺ خود اہل زبان بھی تھے اور نزول قرآن کے ماحول سے پوری طرح باخبر بھی۔ پھر پیغمبر عظیم ﷺ کے حامی و مددگار بن کر اللہ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خاص خاص صحابہؓ تفسیر قرآن مجید کا مرجع بنے قرآن فہمی میں خلفاء اربعہ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، زید بن ثابتؓ، ابی بن کعبؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ اور عبد اللہ بن زبیرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ خاص اہمیت کے حامل ہیں جن میں بھی مدار تفسیر بطور خاص حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ہیں۔ قرآن مجید کی جمع و تدوین بھی صحابہؓ کے دور میں ہوئی۔ گویا سورتوں اور آیات کے مقام کا تعین، جو بعد میں اصول تفسیر کا اہم موضوع بنا، صحابہؓ کے ہاتھوں انجام پایا۔ صحابہ کرامؓ کے تفسیری فن پاروں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ صحابہؓ کسی بھی کلمہ اور لفظ کے معنی کو متعین کرنے کے لیے قرآن مجید کی دوسری آیات، حدیث نبویہ اور جاہلی ادب و شاعری کو ضرور سامنے رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو خاص عبور حاصل تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا:

> ”میرے علم میں نہیں تھا کہ آیت قرآنی فاطر السموات[39] کا کیا مطلب ہے؟ ایک بار دو اعرابی ایک کنویں بارے میں مجھ سے فیصلہ کروانے آئے ان میں سے ایک نے کہا "انا فطرتھا" میں نے اس کی ابتدا کی جس سے مجھے اس کا صحیح مفہوم پتہ چل گیا۔“[40]

اس طرح کی بہت سی مثالیں حضرت ابن عباسؓ کی سوانح سے سامنے آتی ہیں۔ چنانچہ واضح ہوا کہ دور صحابہ میں جن اصول تفسیر کے تحت قرآن مجید کی تفسیر کی جاتی تھی وہ ۱۔ تفسیر القرآن بالقرآن۔ ۲۔ تفسیر القرآن بالحدیث النبوی ۳۔ لغت و کلام عرب ۴۔ اجتہاد و استنباط ہیں۔

عہد تابعین اور تبع تابعین میں اصول تفسیر

عہد تابعین کے مشہور مفسرین میں علقمہ، اسود بن یزید سعید بن جبیر، عمرو بن شرجیل، ابراہیم نخعی، مجاہد عکرمہ، حسن بصری، قتادہ، اعمش، طاؤس بن کیسان، عطا بن ابی رباح، محمد بن کعب، زید بن اسلم، مرہ ہمدانی، عامر شعبی وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں سعید بن جبیر، ابو العالیہ، محمد بن کعب القرظی، عطا بن ابی رباح، حسن بصری اور عکرمہ نے تفسیر اور اصول تفسیر کے بعض موضوعات پر کتابیں تصنیف کیں ہیں۔ مثلاً کسی نے ناسخ و منسوخ کسی نے وجوہ نظائر، کسی نے احکام القرآن اور کسی نے مشکل مقامات اور غریب الفاظ کی تشریح و توضیح کے لیے قلم اٹھایا۔ تبع تابعین میں امام مالک بن

انس، اسحاق بن راھویہ، وکیع بن جراح[41]، شعبہ بن حجاج[42]، سفیان بن عیینہ[43]، روح بن عبادہ[44]، ابو بکر بن شعبہ اور دوسرے بہت سے حضرات نے اصول تفسیر وعلوم القرآن پر توجہ کی۔ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"تابعین نے تفسیر کا علم بھی اسی طرح صحابہ کرامؓ سے حاصل کیا ہے جس طرح علم سنت ان سے پایا ہے تابعینؒ حضرات جس طرح استنباط واستدلال کی راہ سے بعض سنتوں پر گفتگو کرتے ہیں اسی طرح وہ تفسیر میں بھی بعض اوقات استنباط واستدلال کی راہ اختیار کرتے ہیں۔[45]"

اس دور میں اگرچہ علم اسباب نزول، علم الناسخ والمنسوخ اور علم غریب القران کی بنیاد رکھی گئی۔ جو علوم القرآن کے اہم مباحث ہیں اوران کا جاننا ایک مفسر کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ لیکن بطور خاص اس دور میں بھی جن اصول تفسیر کے تحت قرآن مجید کی تفسیر کی جاتی رہی وہ ا۔ تفسیر القرآن بالقرآن۔ ۲۔ تفسیر القرآن بالحدیث النبوی ۳۔ اقوال صحابہؓ ۴۔ لغت وکلام عرب ۵۔ اجتہاد واستنباط ہی ہیں۔

علم اصول تفسیر کی تدوین

عہد تابعین وتبع تابعین کے بعد دوسری اور تیسری صدی ہجری میں جن موضوعات پر کتب تالیف کی گئی انکا تعلق زیادہ تر فہم قرآن سے تھا۔ مثلاً اعراب القرآن، اسباب نزول، علم وجوہ ونظائر، غریب القرآن، تشابہ القرآن، علم الناسخ والمنسوخ اور احکام القرآن وعلم القراءات وغیرہ۔ ان موضوعات پر ابتدائی زمانے سے چھٹی ہجری تک متعدد کتب تصنیف ہوئیں۔

چھٹی صدی ہجری میں عقلی تفسیر کا آغاز ہونے کی وجہ سے تفسیر قرآن کے متعلق مختلف و متنوع علوم وجود میں آئے۔ جس کے نتیجے میں ایسی تفاسیر منظر عام پر آئیں جن میں تفسیر کے سوا سب کچھ موجود تھا۔ اس دور میں صرف نحو، عربی لغت سے متعلق علوم بھی مدون ہوئے۔ فقہی مذاہب کے ظہور پذیر ہونے کے ساتھ ساتھ کلامی مسائل اٹھ کھڑے ہوئے اور گروہی تعصب اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ یہ سب علوم وفنون تفسیر کے ساتھ گھل مل گئے۔ جس کے نتیجے میں عقلی پہلو غالب اور نقلی پہلو مغلوب ہو گیا اور ہر مفسر نے قرآن کو اپنے مذہب کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ لیکن اس عقلی تفسیر کے باجود تفسیر بالمنقول کا تصور بالکل ختم نہ ہو سکا۔ مختلف زمانوں میں ایسے علماء موجود رہے جو اس طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے سینہ سپر ہو گئے۔۔ تاہم بعض اس سلسلے میں صحیح وسقیم روایات میں امتیاز نہ کر سکے۔ جب علماء کرام نے تفسیروں میں وضع واختراع، صحیح وسقیم اقوال اسرائیلیات کی بہتات، فقہی اور کلامی بحثوں کی یہ صورت حال دیکھی تو لامحالہ ان میں یہ فکر پیدا ہوئی کہ ان اصول وقواعد کو مدون کیا جائے جو قرآن کریم کے فہم اور تفسیر میں مدو معاون ثابت ہو سکیں۔ جنہیں صحابہ وتابعین تفسیر قرآن میں مد نظر رکھتے تھے تاکہ تفسیر بالمنقول والمعقول میں حق وباطل کے درمیان امتیاز ہو سکے۔ مقدمہ فی اصول التفسیر کا سبب تالیف بیان کرتے ہوئے ابن تیمیہ خود رقم طراز ہیں:

"اپنے بعض احباب نے مجھ سے درخواست کی کہ ایک ایسا مقدمہ لکھ دوں جو قواعد کلیہ پر حاوی ہو۔ قرآن کے فہم اور اسکی تفسیر جو معانی کی معرفت میں معین ہو، اس میں منقول و معقول، حق و باطل کی تمیز کرنے والا اور قیل قال میں فیصلہ کن دلیل کی راہ دکھانے والا ہو۔"[46]

اصول تفسیر کی باقاعدہ تدوین میں فقہا کرام کا بہت اہم کردار رہا ہے۔ انہوں نے اصول فقہ کے میدان میں قرآن وسنت سے استدلال و استنباط کے اصول وضع کیے۔ جن سے اصول تفسیر کی تدوین کے لیے بنیادیں مہیا ہوئیں۔ اس کے علاوہ کتب علوم القرآن میں شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو جس میں مصادر تفسیر جیسے اہم ترین موضوع پر گفتگو نہ کی گئی ہو۔ جیسے البرھان فی علوم القرآن از بدر الدین الزرکشی (۷۹۴ھ)، الاتقان فی علوم القرآن از جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ)، مناھل العرفان از عبد العظیم الزرقانی (۱۳۶۷)، مباحث فی علوم القرآن از مناع القطان (۱۴۲۰ھ) وغیرہ۔

وہ کتب جو اصول تفسیر یا مناہج تفسیر کے نام سے لکھی گئی ہیں، ان میں مقدمہ فی اصول التفسیر، ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)، اصول تفسیر، ابن قیم الجوزیہ (۷۵۱ھ)، التفسیر فی قواعد علم التفسیر، محمد بن سلیمان الکافیجی (۸۷۹ھ)، الفوزالکبیر فی اصول التفسیر، شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۱۷۶ھ)، فتح الخبیر فی اصول تفسیر، شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۱۷۲ھ)، الاکسیر فی اصول تفسیر، صدیق حسن خان (۱۳۰۷ھ)، التکمیل فی اصول التاویل، حمید الدین فراہی (۱۳۴۹ھ)، القواعد الحسان فی التفسیر القرآن، عبد الرحمان بن ناصر السعدی (۱۳۷۶ھ)، درایت تفسیری، حافظ عبد اللہ محدث روپڑی (۱۳۸۲ھ)، اصول فی التفسیر، شیخ محمد بن صالح العثمین ۱۴۲۱ھ، قواعد التفسیر، خالد بن عثمان السبت، ۱۴۔ اصول تفسیر و قواعدہ، خالد بن عبد الرحمان العک، اصول التفسیر و بحوث فی اصول التفسیر کلاھما، ڈاکٹر محمد لطفی الصباغ، دراسات فی اصول التفسیر، محسن عبد الحمید، اصول تفسیر و مناھجہ، ڈاکٹر فہد رومی، فصول فی اصول التفسیر، ڈاکٹر مساعد بن سلیمان الطیار، تستیط الاذھان فی مقدمہ التبیان فی اصول تفسیر القرآن، مولانا عبد السلام بن عبد الروف، مفہوم التفسیر و تاویل الاستنباط والتدبر والمفسر، ڈاکٹر مساعد بن سلیمان الطیار، القول المنیر فی علم اصول التفسیر، شیخ اسماعیل عنان یمنی۔ اور وہ کتابیں جو اصلاً مناہج مفسرین پر مرتب کی گئیں ہیں لیکن ضمناً ان میں بھی اصول تفسیر کو زیر بحث لایا گیا ہے ان میں التفسیر ورجالہ، ابن عاشور ۱۳۹۰ھ، التفسیر والمفسرون، ڈاکٹر حسین الذھبی ۱۳۹۷ھ مناھج المفسرین، ڈاکٹر محمود النقراشی، مناھج المفسرین، ڈاکٹر احمد بن محمد الشرقاوی، نمایاں ہیں۔

تفاسیر کے مقدمات میں اصول تفسیر

اصول تفسیر کی باقاعدہ تدوین سے پہلے مفسرین اپنی تفاسیر کے مقدمات میں اصول تفسیر کا ذکر کرتے تھے۔ جن تفاسیر کے مقدمات میں اصول تفسیر کو بطور خاص موضوع بحث بنایا گیا ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

1. جامع البیان ابن جریر الطبری ۳۱۰ھ

2. النکت والعیون للماوردی ۴۵۰ھ
3. جامع التفاسیر، راغب اصفہانی ۵۰۲ھ
4. المحرر الوجیز، ابن عطیہ الاندلسی ۵۴۱ھ
5. الجامع الاحکام، محمد بن احمد القرطبی ۶۷۱ھ
6. تفسیر القرآن لابن کثیر الدمشقی ۷۷۴ھ
7. التحریر والتنویر، طاہر ابن عاشور ۱۳۹۳ھ
8. اضواء البیان، محمد امین الشنقیطی ۱۳۹۳ھ

اردو تفاسیر کے مقدمات میں بھی مفسرین نے اصول تفسیر اور مناہج تفسیر کو موضوع بحث بنایا ہے۔ مثال کے طور پر شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے مقدمہ تفسیر حقانی البیان فی علوم القرآن لکھا۔ اس کے مقدمہ میں اصول تفسیر کا خاص طور پر ذکر ہے۔ اس کے علاوہ مولانا امین احسن اصلاحی نے بھی اپنی تفسیر کے آغاز میں اصول تفسیر پر بحث کی ہے۔

حواشی وحوالہ جات:

1۔ سورۃ النحل:16/44
2۔ موسوعہ فقہیہ، ،وزارت اوقاف کویت، اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا، 3/460
3۔ ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی، أبو الفضل، الإفریقی، لسان العرب، دار صادر بیروت، 1414، 2/361
4۔ سید ابو الحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس نشریات اسلام، کراچی، س ن، 1/251
5۔ ابن الجوزي، جمال الدین أبو الفرج عبد الرحمن، زاد المسیر في علم التفسیر، دار الکتاب العربي، بیروت، 1422ھ، 2/1
6۔ فیروزآبادی، مجد الدین، القاموس المحیط، مؤسسۃ الرسالۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت۔ لبنان طبع 8، 1426ھ، ص:587
7۔ خیر الدین الزرکلی، الأعلام، دار العلم للملایین، بیروت
8۔ الراغب الأصفہانی، مفردات الفاظ القرآن، ،دار القلم - الدار الشامیۃ، 2009ء، 1/344
9۔ سورۃ الفرقان:25/33
10۔ ابن ماجہ، ابو عبد اللہ، محمد بن یزید، القزوینی، سنن ابن ماجہ، ابواب التجارات، باب التغلیظ فی الربا، حدیث:2276
11 ۔ الأندلسي، أبو حیان محمد بن یوسف، البحر المحیط في التفسیر، دار الفکر - بیروت، 1420ھ، 1/121
12۔ الزرکشي، أبو عبد اللہ بدر الدین، البرھان في علوم القرآن، إحیاء الکتب العربیۃ طبع اوّل، 1376ھ، 1/13

13 ۔ السیوطي، جلال الدین، الإتقان في علوم القرآن، ہیئة مصریة عامة کتاب 1394ھ، 1/334
14 ۔ الزُّرقاني، محمد عبد العظیم، مناھل العرفان في علوم القرآن، مطبع عیسی بابي حلبي وشرکاہ، طبع سوم، 1/334
15۔ ان مباحث کی تفصیل کے لیے دیکھئے: التفسیر والمفسرون از محمد حسین ذھبی؛ تاریخ تفسیر و اصول تفسیر از پروفیسر میاں منظور احمد؛ تفسیر و تاریخ تفسیر و مفسرین از غلام احمد حریری؛ تبیان الراسخ معروف بہ تاریخ التفسیر از قاضی عبد الصمد صارم
16۔ خالد محمود، ڈاکٹر، آثار التنزیل، 2/266
17۔ غیر عالم، جو عربی زبان اور قرآن و سنت کے علوم کا ماہر نہ ہو۔
18۔ خالد محمود، ڈاکٹر، آثار التنزیل، 2/267
19۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: الفوز الکبیر، شاہ ولی اللہ؛ ص 72 اور التفسیر والمفسرون، الدکتور محمد حسین الذھبی؛ مکتبہ وھبۃ، القاہرہ، مصر، ج 1، ص: 103 تا 343 اور دراسات فی علوم القرآن؛ اتجاھات التفسیر فی القرن الرابع عشر، الدکتور فہد الرومی۔
20۔ ابن منظور، الإفریقي، محمد بن مکرم بن علی، أبو الفضل، السان العرب، دار صادر۔بیروت، 1414ء، 2/510
21۔ فیروز آبادی، مجد الدین، القاموس المحیط، ص: 12722
22۔ سورۃ الحشر: 59/5
23۔ سورۃ ابراہیم: 14/24
24 ۔ سورۃ الصافات: 37/64
25 ۔ دیکھیے سورۃ الفرقان: 25/15، سورۃ الاحزاب: 33/42، سورۃ الفتح: 48/9، سورۃ الأعراف: 7/205
26۔ عبد الکریم زیدان، الوجیز في أصول الفقہ، دار النشر، مؤسسة قرطبة، الطبعة السادسة، ص: 8
27 ۔ التھانوی، محمد علی کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، دار الکتب العلمیۃ، بیرورت، س ن، 1/33
28 ۔ ابن تیمیہ، تقی الدین احمد بن عبد الحلیم، مقدمۃ فی اصول التفسیر، دار ابن حزم، بیروت، س ن، ص: 3
29۔ دیکھیے: التبیان فی علوم القرآن، الصابونی، محمد علی، عالم الکتب بیروت، 1405ھ، ص: 134
30 ۔ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، قاہرہ، مکتبہ وہبیہ عابدین، س ن، ص: 15

مناع القطان مباحث في علوم القرآن میں لکھتے ہیں:

والمراد بعلوم القرآن : العلم الذی بتناول الأبحاث المتعلقة بالقرآن من حیث معرفته أسباب النزول وجمع القرآن وترتیبه ومعرفته المکي والمدني والناسخ والمنسوخ، والمحکم والمتشابه إلی غیر ذلك مماله صلته بالقرآن .وقد یسمی هذا العلم بأصول التفسیر لأنه یتناول المباحث التي لا بد للمفسر من معرفتها للأسناد إلیها فی تفسیر القرآن۔

"علوم قرآن سے مراد وہ علم ہے جو قرآن سے متعلق ابحاث پر مشتمل ہو اور اسکے ذریعے اسباب نزول، جمع القرآن، قرآن کی ترتیب مکی و مدنی سورتوں کی پہچان، ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ وغیرہ وہ امور جو قرآن سے تعلق رکھتے ہیں انکی پہچان ہو سکے اور اس علم کا نام اصول تفسیر اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ یہ ایسے مباحث پر مشتمل ہے جنھیں جاننا ایک مفسر کے لیے از حد ضروری ہے۔"

مولانا محمد تقی عثمانی اصول تفسیر اور علوم القران کے ضمن میں فرماتے ہیں:

"علوم القرآن ایک وسیع و عریض علم ہے۔ اس میں علم تفسیر کے مبادی و اصول واضح کیے جاتے ہیں۔ قرآن مجید آنحضرت ﷺ پر کس طرح نازل ہوا تھا؟ وحی کی حقیقت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب کس ترتیب سے نازل ہوئی؟ کتنے عرصے میں اس کا نزول مکمل ہو؟ مکی مدنی سورتوں کا مطلب کیا ہے؟ شان نزول کسے کہتے ہیں؟ تفسیر قرآن میں اس کا کیا مقام ہے؟ قرآن کی کوئی آیت منسوخ ہے کہ نہیں؟ قرآن کے مختلف حروف قرآتوں کا کیا مطلب ہے؟ قرآن کریم کس قسم کے مضامین پر مشتمل ہے؟ شان نزول کسے کہتے ہیں اور تفسیر قرآن میں اس کا کیا مقام ہے؟ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اس کتاب کو محفوظ رکھا؟ اور اس کتاب کو سمجھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اور اس راہ میں کون سی غلطیاں انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتی ہیں؟ اور اس قسم کے بہت سے سوالات کا مفصل جواب علوم القرآن میں دیا جاتا ہے۔"

31۔ سورۃ النحل:16/44

32 ۔ ابن کثیر، ابو الفدا عماد الدین، تفسیر القرآن العظیم، المطبعۃ الفنیۃ قاہرۃ، 2/572

33۔ سورۃ الانعام:6/72

34۔ البخاري، محمد بن إسماعيل أبو عبد الله صحيح البخاري، كتاب التفسیر دار طوق النجاۃ، طبع اوّل، 1422ھ، 2/704

35 ۔ سورۃ لقمان:31/13

36 ۔ سورۃ البقرۃ:2/187

37۔ البخاري، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، 2/647

38 ۔ الترمذی، الجامع، ابواب العلم، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، 1414ھ، 2/338

39 ۔ سورۃ فاطر:35/1

40 ۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، 2/4

41۔ روح بن عبادہ العلاء القیسی ابو محمد بصرہ کے محدث تھے۔ 205ھ میں وفات پائی (الاعلام، 3/43)

42۔ یہ قیس عیلان کے قبیلہ سے تھے۔ عراق میں محدث تھے، کوفہ میں پیدا ہوئے، ۹۷ ہجری میں وفات پائی (الاعلام، 8/117)

43۔ بصرہ کے عظیم محدث تھے انہوں نے امام مالک کو دیکھا اور چار سو تابعین سے حدیث سنی۔

44۔ اسحاق بن ابراہیم بن مخلد الحنظلی التمیمی (۱۶۱ھ۔۔۲۳۷) خراسان کے عالم تھے نیشاپور میں وفات پائی۔ (الاعلام، 8/292)

45۔ دیکھئے: ابن تیمیہ، تقی الدین احمد بن عبد الحلیم، مقدمۃ فی اصول التفسیر، دار ابن حزم، بیروت۔

46۔ دیکھئے: مقدمۃ فی اصول التفسیر، ص:15